© rasailojaraid.com

رسائل ومسائل

دُرود میں "سیدنا ومولانا" کا استعمال

اور بعض اہم اُصولی بحثیں

سوال :- "آپ نے ماہ مارچ کے "ترجمان القرآن" میں کسی سائل کو جواب دیتے ہوئے نماز میں دُرود کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اُس پر حسب ذیل اعتراضات وارد ہوتے ہیں :

۱- آپ نے ابوداؤد اور دارقطنی کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سکھائے ہوئے تشہّد میں "رَحْمَةُ اللهِ" کے بعد "وَبَرَكَاتُهٗ" کا، اور "اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ" کے بعد "وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ" کا اضافہ کر دیا۔ اس سے آپ ماثور الفاظ پر اضافے کا جواز ثابت کرتے ہیں، لیکن یہ آپ کے لیے مفید طلب نہیں ہے، کیونکہ یہ الفاظ مرفوع حدیث میں بھی وارد ہوئے ہیں۔

۲- تشہد کے متعلق آپ نے حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضورؐ نے اُن کو عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ تک تعلیم دینے کے بعد فرمایا کہ "جب تم نے یہ پڑھ لیا (یا اس کو پورا کر لیا) تو تم اپنی نماز سے فارغ ہو گئے، اِس کے بعد اُٹھ جانا چاہو تو اُٹھ جاؤ اور بیٹھنا چاہو تو بیٹھے رہو"۔ اِس سے آپ نے یہ استدلال کیا ہے کہ عبدہٗ و رسولہٗ پر نماز مکمل ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد آدمی کچھ نہ پڑھے تب بھی اس کی نماز میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا، اور دُرود و دُعا تشہد میں داخل نہیں ہے بلکہ اس سے زائد ایک چیز ہے۔ مگر آپ کا یہ استدلال صحیح نہیں ہے، کیونکہ حُفّاظِ حدیث کا اِس پر اتفاق ہے کہ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کے بعد کا مضمون

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دراصل حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے جسے ایک راوی نے بے احتیاطی سے اس طرح حدیث میں درج کر دیا ہے کہ وہ حضورؐ کا ارشاد معلوم ہوتا ہے۔

۳۔ بالفرض اگر وہی روایت صحیح تسلیم کر لی جائے جس سے آپ استدلال کرتے ہیں، تو یہ امر واقعہ ہے کہ تشہد کی تعلیم حضورؐ نے ابتدائی دور ہی میں دے دی تھی جب نماز فرض ہوئی تھی، لیکن قرآن مجید میں حضورؐ پر درود و سلام بھیجنے کا حکم غزوۂ خندق اور غزوۂ بنی قریظہ کے زمانے یعنی ۵ھ میں نازل ہوا تھا، کیونکہ وہ سورۂ احزاب میں درج ہے، اور وہ انہی غزوات کے زمانے میں نازل ہوئی تھی۔ اس لیے لامحالہ بعد کی چیز نے پہلے کی چیز کو منسوخ کر دیا۔

۴۔ نماز تعبّدی اعمال میں سے ہے، اور ان اعمال کے بارے میں یہ قاعدہ مسلّم ہے کہ شارع نے اُن کی تعلیم جس طرح دے دی ہے اسی طرح اُن کی تعمیل کی جانی چاہیے، ان کے اندر اپنی طرف سے کوئی تصرف نہیں کیا جا سکتا۔ علمائے اصول اس بات پر متفق ہیں کہ عبادات میں اصل حکم کی پیروی اور شارع کے بتائے ہوئے طریقے کا اتباع ہے، اور اُس سے تجاوز بدعت ہے۔ لیکن آپ درود کے ماثور الفاظ پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ ان میں اضافے ہی نہیں ردّ و بدل[1] اور کمی بیشی تک کے قائل ہیں۔ حالانکہ نماز کے تمام اوراد توقیفی ہیں، ان میں نہ کچھ گھٹانا جائز ہے نہ بڑھانا۔

۵۔ درود کے الفاظ میں سیدنا و مولانا کا اضافہ متعدد وجوہ سے ناجائز ہے:

اوّلاً احادیث سے جتنے درود ثابت ہیں ان میں کہیں یہ الفاظ مستعمل نہیں ہوتے ہیں بلکہ بقول حافظ ابن حجر کسی صحابی و تابعی نے بھی یہ الفاظ درود میں استعمال نہیں کیے ہیں۔

ثانیاً، احادیث سے ثابت ہے کہ لفظ سید کا استعمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے لیے اس دنیا میں بالکل غیر مشروع ہے اور حضورؐ نے اپنے لیے اس کے استعمال

[1] میں نے ردّ و بدل کے الفاظ کہیں استعمال نہیں کیے ہیں۔ صرف کمی بیشی کا ذکر کیا ہے۔ تاہم اگر معترضین کو اصرار ہو کہ میں ردّ و بدل کا بھی قائل ہوں تو میں اپنے جواب میں اس کی نظیر بھی پیش کر دوں گا۔ مودودی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو منع فرمایا ہے۔ رہا آپ کا ارشاد کہ "انا سید ولد آدم" تو یہ قیامت کی حکایت ہے، جہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو یہ اعزاز دنیا میں عبدیت کا شیوہ اختیار کرنے کے صلے میں عطا کیا جائے گا، چنانچہ قاضی عیاض نے شفا میں روایت نقل کی ہے کہ اسرافیل نے حضورؐ سے کہا "اللہ تعالیٰ نے اُس تواضع (انکساری) کے صلے میں جو آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور اختیار کی ہے آپ کو یہ مرتبہ عطا کیا ہے کہ آپ قیامت کے روز اولادِ آدم کے السید قرار ہوں گے"۔ نیز حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جبریل علیہ السلام کی موجودگی میں ایک فرشتے نے حضورؐ کے پاس آکر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پوچھا "آپ کو بادشاہ رسول بناؤں یا عبد رسول"؟ جبریلؑ نے حضورؐ کو اشارہ کیا کہ "آپ اپنے رب سے تواضع سے پیش آئیے"۔ تب آپؐ نے اُس فرشتے کو جواب دیا "بلکہ عبد رسول"۔ اسی لیے حضورؐ نے اپنے لیے لفظ سید کا استعمال پسند نہیں فرمایا اور اپنی دعاؤں میں انتہائی عاجزی اختیار کی۔

ثالثاً، حضورؐ نے غزوہ بنی قریظہ کے موقع پر جب حضرت سعد بن معاذ کے لیے لوگوں سے کہا قوموا الی سیدکم (اپنے سردار کے استقبال کے لیے کھڑے ہو جاؤ) تو حضرت عمرؓ کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا کہ السید ھو اللہ (سید تو اللہ ہی ہے)۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ حضرت سعد بن معاذ والا واقعہ ۵ ہجری کا ہے، اور حضورؐ نے اپنے لیے لفظ سید کے استعمال پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے السیدُ اللہ ۹ ہجری میں فرمایا تھا جب بنی عامر کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔

رابعاً، درود اصل میں ایک دعا ہے، اور دعا میں مدعولہٗ کے لیے سید کا لفظ استعمال کرنا روحِ دعا کے خلاف ہے۔ درخواست اور دعا میں تو عاجزی و انکساری اور عبدیت کا اظہار ہونا چاہیے۔ جس کے حق میں دعا کی جاتی ہے اس کے لیے تو یوں کہا جاتا ہے کہ ایک عبدِ مسکین حاضرِ خدمت ہے، نہ یہ کہ ہمارا آقا اور سردار حاضر ہو رہا ہے"۔

جواب: آپ نے جو اعتراضات پیش فرمائے ہیں وہ بلاشبہ قابلِ توجہ ہیں اور میں ایسے اعتراضات پر بحث کرنے میں خوشی محسوس کرتا ہوں۔ ذیل میں اُن کا سلسلہ وار جواب حاضر ہے۔

تشہد میں ابن عمرؓ کا تصرف

میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے جس بات پر استدلال کیا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُس پر اعتراض کرنے سے پہلے اگر آپ نے دو منٹ بھی غور کر لیا ہوتا تو یہ نہ فرماتے کہ "یہ حدیث آپ کے لیے مفید مطلب نہیں ہے، کیونکہ یہ الفاظ مرفوع حدیث میں بھی وارد ہوئے ہیں"۔ براہ کرم ایک مرتبہ پھر حضرت عبداللہ بن عمر کے الفاظ کو پڑھیے۔ وہ فرما رہے ہیں کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ کے بعد بَرَکَاتُہٗ اور اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے بعد وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ کا اضافہ میں نے خود کر دیا۔ اِس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ جس وقت اُنہوں نے یہ اضافہ کیا تھا اُس وقت اُن کے علم میں وہ حدیث مرفوع نہیں تھی جس کے متعلق آپ کہہ رہے ہیں کہ اُس میں بھی یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اُن کے علم میں کبھی نہ آئی ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اُن کے علم میں اُس وقت آئی ہو جبکہ وہ پہلے ہی بطور خود اِن الفاظ کا اضافہ کر چکے ہوں۔ یہ بھی تحقیق فرما لیجیے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ دار قطنیؒ نے اسے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ھٰذا اِسنادٌ صحیحٌ (یہ سند صحیح ہے) اور حافظ ابن حجرؒ نے ابو داؤد کی روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ یہ صریح طور پر آپ کے مدعا کے خلاف پڑتی ہے، کیونکہ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک جلیل القدر صحابی نے نماز کے ماثور الفاظ پر اپنی طرف سے کچھ الفاظ کا اضافہ کیا اور اُس کا لوگوں کے سامنے اظہار بھی کر دیا، مگر نہ دورِ صحابہ و تابعین میں اِس پر کوئی گرفت کی گئی اور نہ بعد کے کسی دور میں (کم از کم میرے علم کی حد تک) کسی فقیہ یا محدث نے اِسے صحابیِ رسول کی بدعتِ ضلالت قرار دیا۔

تشہد کے متعلق ابن مسعودؓ کی روایات

میں نے تشہد کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی جو روایت نقل کی ہے، اُس کے متعلق آپ کہتے ہیں کہ عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ کے بعد والے الفاظ کو حفّاظِ حدیث نے بالاتفاق اِلحاقی قرار دیا ہے اور یہ رائے ظاہر کی ہے کہ دراصل یہ حضرت ابن مسعودؓ کا اپنا قول ہے جو راوی کی غلطی سے حضورؐ کی طرف منسوب ہو گیا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ یہ رائے کن حفّاظِ حدیث نے ظاہر کی ہے۔ مگر اُن کے فضل و کمال کا انتہائی معترف و معتقد ہونے کے باوجود میں اُن کا اندھا مقلد نہیں ہوں کہ بس یہ سن کر کہ وہ اِن الفاظ کے الحاقی ہونے پر متفق ہیں، خود بھی انہیں الحاقی مان لوں اور یہ نہ دیکھوں کہ جس بنیاد پر اُنہوں نے یہ فیصلہ کر ڈالا ہے وہ بجائے خود معقول بھی ہے یا نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ حدیث چار مختلف صورتوں میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے منقول ہوئی ہے۔

ایک صورت میں عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ کے بعد اِذَا قُلْتَ ھٰذَا کے الفاظ بالکل متصل ہیں اور کوئی علامت ایسی نہیں پائی جاتی جس سے یہ شبہ کیا جا سکے کہ یہ بعد کے الفاظ حضورؐ کے نہیں بلکہ حضرت عبداللہؓ ابن مسعود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سکے ہیں۔ اس کے متعلق یہ دعویٰ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ حضورؐ کا کلام فلاں جگہ ختم ہوا اور فلاں جگہ سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا کلام شروع ہو گیا۔

دوسری صورت اِس حدیث کی یہ ہے کہ وہ عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ پر ختم ہو گئی ہے اور بعد کی عبارت اُس میں سرے سے مذکور ہی نہیں ہوئی ہے۔ یہ ترکِ ذکر قطعاً اِس بات کی دلیل نہیں قرار پا سکتا کہ اُوپر والی روایات میں جو زائد عبارت مذکور ہوئی ہے وہ اِلحاقی ہے۔

تیسری صورت اِس حدیث کی یہ ہے کہ عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ کے بعد قَالَ یا ثُمَّ قَالَ فاذا فعلتَ هٰذا .... کے الفاظ ہیں۔ اِس لفظ قَالَ یا ثُمَّ قَالَ سے قطعاً یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ قائل کون ہے۔ اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا، اور یہ بھی کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا۔ دونوں احتمالوں میں سے ایک کو ترجیح دینے کے لیے خود اِس روایت میں کوئی گنجائش نہیں۔

چوتھی قسم کی روایات وہ ہیں جن میں عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ کے بعد قَالَ عَبْدُ اللهِ یا قال ابنُ مسعود کے الفاظ ہیں اور پھر فَاِذَا فَعَلْتَ هٰذَا سے آخر تک کی عبارت نقل کی گئی ہے۔ جن حفّاظِ حدیث نے صرف اِن آخری قسم کی روایات کو اِس بات کی دلیل بنایا ہے کہ پہلی قسم کی روایات میں جو عبارت حضورؐ کے ارشاد سے متصل پائی جاتی ہے وہ دراصل اِلحاقی ہے، اُن کی جلالتِ شان کا پورا اعتراف کرتے ہوئے میں عرض کرتا ہوں کہ حدیث کی روایات میں اِس طرح کے فیصلے صادر کر دینا فنِ حدیث کی قدر و منزلت کے لیے سخت نقصان دہ ہے۔ آخر یہ رائے قائم کرنے میں کیا مشکل حائل تھی کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ خود بھی اُسی بات کا فتویٰ دیتے تھے جو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی تھی؟ پہلی قسم کی احادیث میں انہوں نے قولِ رسولؐ نقل کیا ہے، اور آخری قسم کی احادیث میں خود اپنا فتویٰ بیان کیا ہے جو عین قولِ رسول کے مطابق ہے۔ اگر اُن کا فتویٰ اُن کی روایت کردہ حدیث کے خلاف ہوتا تو ضرور حدیث مشکوک ہو جاتی۔ لیکن وہ تو حدیث کے ٹھیک مطابق فتویٰ دے رہے ہیں۔

کیا ابن مسعودؓ سورۂ احزاب سے ناواقف تھے؟

تیسرے اعتراض میں آپ نے جو کچھ فرمایا ہے، اس میں ذرا اِس بات کی وضاحت اور فرما دیجیے کہ جس وقت کوفے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عَلْقَمہ اور اپنے دوسرے شاگردوں سے تَشَہُّد کے متعلق یہ حدیث بیان کر رہے تھے، اُس وقت سورۂ احزاب نازل ہو چکی تھی یا نہیں؟ اور اگر نازل ہو چکی تھی (جس کا شاید آپ انکار نہیں کر سکتے) تو ابن مسعودؓ رضی اللہ عنہ اُس سے واقف تھے یا ناواقف؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اِس کی آپ وضاحت کردیں گے تو اعتراض کا جواب آپ کو خود ہی مل جائے گا۔

درود دعا کے ماثور الفاظ کی پابندی کیوں لازم نہیں ہے؟

تعبّدی اعمال (یعنی عبادت کی نوعیت رکھنے والے اعمال) کے بارے میں جس متّفق علیہ شرعی قاعدے کا آپ نے ذکر کیا ہے، اُس کا میں بھی شدت سے قائل ہوں اور بیس سال پہلے خود اُس کو بیان کر چکا ہوں[1]۔ لیکن آپ کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ تشہّد کے بعد پڑھنے کے لیے درود و دعا کے جو الفاظ ماثور ہیں اُن کی نوعیت بھی ایسی ہے کہ اُن کو جوں کا توں پڑھنا ہی ضروری ہو، کیونکہ بخاری، مسلم، نسائی، ابوداؤد اور مُسند احمد میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی روایات یہ بتاتی ہیں کہ عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ تک تشہد پڑھنے کے بعد آدمی کو اختیار ہے کہ اللہ سے مانگنے کے لیے جو دعا چاہے منتخب کرلے۔

تعبّدی اُمور میں ردّ و بدل اور کمی بیشی کی گنجائش

علاوہ بریں احادیث میں متعدد نظیریں ایسی موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قاعدۂ کلیہ استثناء کی گنجائش سے خالی نہیں ہے۔ اُن میں صرف بیشی (یعنی اضافے) ہی کے نہیں بلکہ ردّ و بدل اور کمی کے نظائر بھی پائے جاتے ہیں جن کو میں مختصراً یہاں نقل کرتا ہوں۔

"ردّ و بدل" کی ایک صریح مثال

"ردّ و بدل" کی نمایاں ترین مثال حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں جمع قرآن ہے۔ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد مبارک میں قرآن کو لکھوا تو ضرور دیا تھا، مگر وہ متفرق پارچوں، تختیوں، کھجوروں کی چھالوں، شانے کی ہڈیوں اور ایسی ہی دوسری چیزوں پر لکھا گیا تھا جو ایک تھیلے میں رکھی ہوئی تھیں۔ حضورؐ نے اُسے سورتوں کی ترتیب کے ساتھ کہیں یکجا نہیں لکھوایا تھا۔ اِس کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ صدیق کا دورِ خلافت آیا اور فتنۂ ارتداد کی آگ بھڑک اُٹھی تو مرتدین سے لڑائیوں میں، خصوصاً جنگِ یمامہ میں بہت سے حُفّاظ شہید ہوگئے۔ بخاری، ترمذی، مُسند احمد، مُسند ابوداؤد طیالسی اور دوسری کتب حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ اِس صورتِ حال میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خطرہ محسوس ہوا کہ اگر اسی طرح حُفّاظ شہید ہوتے رہے تو قرآن کا بہت سا حصّہ ضائع ہو جائے گا۔ اِس خطرے کو اُنہوں نے سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کرکے یہ رائے دی کہ آپ قرآن کو جمع کرنے کا حکم دیں۔ حضرت صدیقؓ نے جواب دیا کہ میں وہ کام کیسے کر سکتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ مگر حضرت عمرؓ

---

[1] ملاحظہ فرمائیں تفہیمات، حصّہ سوم، مضمون "قانون سازی، شوریٰ اور اجماع"۔ اِسی مضمون کے آخر میں اس کی تاریخِ اشاعت مئی ۱۹۵۵ء درج ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے کہا ھو واللہ خیر - "بخدا یہ اچھا کام ہے"۔ اور وہ برابر اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت صدیقؓ کو اِس معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے پورا شرحِ صدر عطا کر دیا اور وہ حضرت عمرؓ کی رائے سے متفق ہو گئے۔

پھر حضرت عمرؓ کی موجودگی میں حضرت ابو بکرؓ نے حضرت زیدؓ بن ثابت کو بلا کر قرآن جمع کرنے کا حکم دیا۔ حضرت زیدؓ نے بھی اِس پر وہی بات کہی جو ابتداء میں حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ سے کہہ چکے تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ لوگ کیسے وہ کام کر رہے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ دونوں صاحبوں نے اُن کو جواب دیا ھو واللہ خیر۔ اور دونوں صاحب اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت زیدؓ کو بھی اِس معاملہ میں شرحِ صدر عطا فرما دیا۔ اِس طرح جمعِ قرآن کا وہ عظیم کام شروع کیا گیا جسے انجام دینے میں بکثرت صحابہ نے حصہ لیا، اور تمام ہی صحابہ کے علم میں رفتہ رفتہ یہ بات آ گئی کہ خلیفۂ وقت کی نگرانی میں یہ کام کیا جا رہا ہے۔ اب ملاحظہ فرمائیے - یہ کام ظاہر ہے کہ دنیوی تدابیر میں سے نہیں بلکہ تعبدی اعمال میں سے تھا۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت زیدؓ بن ثابت نے اِسی وجہ سے حضرت عمرؓ کی تجویز سنتے ہی اُس کے جواب میں یہ فرمایا تھا کہ وہ کام کیسے کیا جائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ مگر جس دلیل کی بنا پر حضرت عمرؓ نے یہ تجویز پیش کی تھی، اور جس کی بنا پر حضرت ابو بکرؓ اور حضرت زیدؓ بن ثابت کو اِس کے جواز، بلکہ وجوب پر شرحِ صدر حاصل ہوا وہ ھُوَ وَاللہِ خَیْرٌ کے سوا اور کچھ نہ تھی۔ اِس کے بعد جو کام کیا گیا وہ صریحاً ردّ و بدل کی نوعیت رکھتا تھا، کیونکہ اُس کے ذریعہ سے قرآن کی اُس متفرق حالت کو، جو حضورؐ کے زمانے میں تھی، ردّ کر کے یکجائی حالت میں تبدیل کر دیا گیا۔ مگر نہ کسی نے اُس وقت اِسے بدعت اور احداث فی الدین قرار دیا اور نہ آج تک کوئی اس پر یہ اعتراض کر سکا ہے، بلکہ اسے جناب صدیقِ اکبرؓ کی اہم ترین دینی خدمات میں شمار کیا جاتا ہے۔

کمی کی ایک نمایاں مثال

اب ذرا "کمی" کی بھی ایک نمایاں ترین مثال ملاحظہ فرمائیے۔ بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی، ابو داؤد وغیرہ کتبِ حدیث میں صحیح ترین سندوں سے یہ بات منقول ہوئی ہے کہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا تھا۔ اکابر اہلِ علم نے اِس کی تشریح یہ کی ہے کہ قرآن مجید ابتداء میں تو صرف قریش کی زبان میں نازل ہوا تھا، مگر بعد میں جب اسلام عرب کے مختلف علاقوں میں پھیلنے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی درخواست پر عرب کی چھ فصیح ترین بولیوں (DIALECTS) میں بھی اُس کے پڑھنے کی اجازت دے دی گئی جن میں تلفظ، اِعراب، یا مصادر کا صرف ایسا فرق ہوتا تھا جس سے معنی میں کوئی فرق واقع نہ ہوتا تھا۔ لیکن یہ اجازت ایسی کُھلی اجازت نہ تھی کہ مختلف علاقوں کے لوگ اپنی اپنی بولیوں میں قرآن کو خود بدل لیں، بلکہ جبریل امین اللہ تعالیٰ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی طرف سے حضورؐ کو بتاتے تھے کہ کس لفظ کو قریش کی بولی کے سوا عرب کی دوسری بولیوں میں کس طرح پڑھا جاتا ہے، اور اُسی کے مطابق حضورؐ لوگوں کو قرآن پڑھنا سکھاتے تھے۔ اِس بنا پر ساتوں حرفوں پر قرآن کی سب قرأتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ تھیں اور توقیفی تھیں۔ بخاری میں حضرت عبداللہ ؓ بن عباس کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا " جبریلؑ نے مجھے پہلے صرف ایک حرف پر قرآن پڑھایا تھا، پھر میں برابر اُن سے رجوع کر کے زیادہ حرفوں پر پڑھنے کی اجازت مانگتا رہا، یہاں تک کہ سات حرفوں تک پڑھنے کی اجازت دے دی گئی۔ مسلم کی روایت میں امام زُہری کے حوالہ سے اِس پر اتنا اضافہ اور ہے کہ یہ اجازت صرف اُن اُمور تک تھی جن سے حلال و حرام کا فرق نہ واقع ہوتا تھا۔ مسلم، نسائی، ابوداؤد، ترمذی اور طبری نے حضرت اُبیؓ بن کعب کی روایت نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرأتِ قرآن میں یہ توسُّع ہجرت کے بعد ہوا ہے۔ اِس روایت میں یہ ذکر ہے کہ مدینے کے ایک مقام اَضاۃِ بنی غِفار میں جبریل السلام حضورؐ کے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ اللہ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ اپنی اُمت کو قرآن ایک حرف پر پڑھائیں۔ حضورؐ نے عرض کیا کہ میں اِس حکم میں نرمی کی درخواست کرتا ہوں، میری اُمت اِس کی طاقت نہیں رکھتی (یعنی جو لوگ عربی زبان کی ایک خاص بولی کے عادی ہیں ان کے بچوں، بوڑھوں، جوانوں، مردوں اور عورتوں کے لیے یہ مشکل ہے کہ کسی دوسری بولی میں قرآن پڑھ سکیں)۔ پھر وہ دو اور اُس کے بعد تین بولیوں میں پڑھنے کا حکم لائے اور حضور مزید کی درخواست فرماتے رہے تا آخر کار اُنہوں نے آ کر کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سات حرفوں پر قرآن پڑھانے کا حکم دیتا ہے، ان میں سے جس حرف پر بھی لوگ پڑھیں گے وہ صحیح ہوگا۔

مسلم، نسائی اور طبری میں حضرت اُبیؓ بن کعب کا ایک اور بیان روایت ہوا ہے کہ اُن کی موجودگی میں یکے بعد دیگرے دو آدمی مسجد نبوی میں آئے اور ہر ایک نے قرآن اُس طریقے کے خلاف پڑھا جس طریقے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُبیؓ کو پڑھنا سکھایا تھا، اور اُن کی قرأتیں آپس میں بھی ایک دوسرے سے مختلف تھیں۔ حضرت اُبیؓ ان دونوں کو ساتھ لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اِس اختلافِ قرأت کا ذکر کیا۔ حضورؐ نے اُن دونوں کی قرأت سُنی اور ہر ایک کی قرأت کو صحیح قرار دیا۔ حضرت اُبیؓ کہتے ہیں کہ " یہ بات سُن کر میرے دل میں ایسی تکذیب پیدا ہوئی جو جاہلیت کے زمانے میں بھی نہ تھی"۔ طبری کی روایت میں اُن کے الفاظ ہیں کہ " میں نے اپنے اندر ایسا شیطانی وسوسہ پایا جس سے میرا چہرہ سُرخ ہوگیا "۔ یہ حالت دیکھ کر حضورؐ نے میرے سینے پر ہاتھ مارا جس سے میں پسینے پسینے ہوگیا۔ پھر حضورؐ نے مجھے بتایا کہ قرآن سات حرفوں پر نازل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوا ہے جو سب کے سب شافی و کافی ہیں۔ اسی سلسلے میں ایک اور روایت بخاری و مسلم اور ترمذی و نسائی میں حضرت عمرؓ سے منقول ہوئی ہے کہ میں نے ایک روز ہشام بن حکیم بن حزامؓ کو سورۂ فرقان پڑھتے سُنا اور اُن کی قرأت کو اُس قرأت سے مختلف پایا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سکھائی تھی۔ ایک روایت میں حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ میں نے اُن سے پوچھا یہ قرأت تمہیں کس نے سکھائی ہے؟ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ ایک اور روایت میں وہ فرماتے ہیں کہ میں اُن کا ہاتھ پکڑ کر انہیں حضور کے پاس لے گیا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ میرا جی چاہتا تھا کہ انہیں اسی وقت پکڑ لوں، مگر میں نے ان کی نماز ختم ہونے تک صبر کیا، پھر ان کا گریبان پکڑ کر حضورؐ کے پاس لے گیا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ قریب تھا کہ میں ان پر جھپٹ پڑتا، مگر میں نے ان کے سلام پھیرنے تک صبر کیا، پھر اُن کا گریبان پکڑ کر حضورؐ کے پاس لے گیا۔ اِس کے آگے سب روایتیں متفق ہیں کہ حضورؐ نے پہلے حضرت ہشام کی قرأت سُنی اور فرمایا ٹھیک ہے، اِسی طرح یہ سورۃ نازل ہوئی ہے۔ پھر آپ نے حضرت عمرؓ کی قرأت سُنی اور فرمایا ٹھیک ہے، اِسی طرح نازل ہوئی ہے۔ اِس کے بعد آپ نے وضاحت فرمائی کہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے، لہٰذا جس طرح آسانی ہو، پڑھو۔

اِن روایات سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ ساتوں حرفوں پر قرأت توقیفی یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر تھی، ہر ایک حرف پر قرآن نازل ہوا تھا، اور لوگ بطور خود اپنی بولی میں قرآن کے الفاظ کو منتقل نہیں کر لیتے تھے، بلکہ حضورؐ نے ہر حرف پر لوگوں کو قرآن پڑھنا سکھایا تھا۔ دوسری بات یہ بھی ثابت ہوتی ہے کہ قرأتوں کے اِس اختلاف پر جھگڑے خود حضورؐ کے سامنے شروع ہو گئے تھے، مگر آپ نے اِن مختلف قرأتوں کی توثیق فرمائی اور جھگڑوں کی بنا پر قریش کی بولی کے سوا باقی سب بولیوں کی قرأت منسوخ کرنے کا اعلان نہیں فرمایا۔

اب ذرا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے کی طرف آیئے۔ اُن کے جمعِ قرآن کے بارے میں صحیح ترین حدیث وہ ہے جو بخاری میں ابراہیم بن سعد، عن الزہری، عن انس بن مالکؓ کی سند سے روایت ہوئی ہے۔ اس میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ آرمینیہ و آذربیجان کی مہم سے واپس آکر امیرالمومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے قرآن کی قرأت میں لوگوں کا جو اختلاف دیکھا تھا اس سے وہ سخت پریشان تھے۔ آتے ہی

ؔ واضح رہے کہ یہ صاحب فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے تھے۔ اِس لیے جس واقعہ کا حضرت عمرؓ نے ذکر کیا ہے وہ لامحالہ فتح کے بعد ہی کسی زمانے میں پیش آیا ہوگا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انہوں نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین، اِس اُمت کو سنبھال لیجیے قبل اِس کے کہ کتاب اللہ میں ان کے اندر یہود و نصاریٰ جیسا اختلاف رونما ہو جائے۔ اِس پر حضرت عثمانؓ نے ام المومنین حضرت حفصہؓ کو کہلا بھیجا کہ وہ صحیفے ہمیں بھیج دیجیے جو آپ کے پاس ہیں، ہم اُن کی نقلیں کرا کے آپ کو واپس بھیج دیں گے۔[1] چنانچہ وہ انہوں نے بھیج دیے۔ پھر حضرت عثمانؓ نے حضرت زیدؓ بن ثابت، حضرت عبداللہؓ بن زبیر، حضرت سعیدؓ بن العاص، اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن الحارث بن ہشام کو حکم دیا کہ اُن کو مصحفوں میں نقل کریں، اور ہدایت فرمائی کہ جہاں تینوں قریشی حضرات اور حضرت زید بن ثابت کے درمیان اختلاف واقع ہو وہاں قریش کی زبان میں کتابت کی جائے کیونکہ قرآن دراصل اِسی زبان میں نازل ہوا تھا پھر یہ مصحف جو تیار کرائے گئے تھے ان کا ایک ایک نسخہ مختلف علاقوں کے مرکزی مقامات پر بھجوا دیا گیا[2] اور امیر المومنین کی طرف سے حکم دے دیا گیا کہ ہر صحیفہ یا مصحف جو اِس مستند نسخے کے خلاف ہو جلا ڈالا جائے۔

اِس معاملے میں آپ یہ صاف دیکھ سکتے ہیں کہ قریش کی زبان کے سوا باقی چھ زبانوں کی قرأتیں، جو سب کی سب توقیفی تھیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سکھائی ہوئی تھیں، اِس مصلحت کی بنا پر منسوخ کر دی گئیں کہ اُمت کو قرآن کے الفاظ اور اِس کی عبارتوں میں اختلاف کے فتنے اور خطرے سے بچا لیا جائے۔ حضرت عثمان کے اِس فعل سے پوری اُمت نے اتفاق کیا ہے اور اِسے اُن کی عظیم ترین حسنات میں شمار کیا گیا ہے۔ لیکن بہرحال یہ اِس امر کی صریح نظیر تو ہے کہ تعبّدی اُمور میں بیشی ہی نہیں، کمی بھی کی گئی ہے اور اسے کسی صاحبِ علم نے بدعت نہیں سمجھا ہے۔ حافظ ابن حجر

۱؎ حضرت ابوبکرؓ نے جو قرآن لکھوایا تھا وہ حضرت حفصہ کے پاس تھا۔ اِس روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ صحیفوں کی شکل میں تھا، مگر دوسری روایات میں یہ ہے کہ وہ ایک ہی صحیفہ تھا، اور اہل علم میں مشہور بات یہی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے قرآن کو ایک مُصحف میں جمع کر دیا تھا۔ امام بدر الدین زرکشی البرھان میں اور امام سیوطی الاتقان میں اسی کو صحیح قرار دیتے ہیں۔

۲؎ اِس میں اختلاف ہے کہ یہ کتنے مصحف تھے۔ مشہور یہ ہے کہ یہ پانچ تھے جن میں سے ایک مدینے میں رکھا گیا تھا اور باقی دوسرے مرکزی مقامات پر بھیج دیے گئے۔ مگر ابو حاتم سجستانی کی روایت یہ ہے کہ سات نسخے تھے جن میں سے ایک مدینے میں رکھا گیا اور باقی مکہ، شام، یمن، بحرین، بصرہ اور کوفہ بھیجے گئے۔ یہی بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے ابن ابی داؤد کے حوالہ سے سُوید بن غفلہ کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے یہ کام صحابہ کے مشورے سے کیا تھا۔ مگر اس سے بات اور بھی زیادہ مضبوط ہو جاتی ہے، کیونکہ صحابہ شریعت کے خلاف مشورہ دینے کے ہرگز مجاز نہ تھے، لہٰذا جب انہوں نے سات توقیفی قرأتوں میں سے چھ کم کرنے اور صرف ایک باقی رکھنے کی رائے دی، درآنحالیکہ اللہ اور اس کے رسول کا کوئی حکم اس کے حق میں موجود نہ تھا، تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ مصلحتِ اسلام و مسلمین کے لیے ان کے نزدیک ایسا کرنا شرعاً جائز ہی نہیں، دین کے اندر فتنے کے امکانات کا سدباب کرنے کے لیے واجب بھی تھا، اگرچہ اپنی ظاہری شکل کے لحاظ سے یہ ایک احداث فی الدین تھا۔ (باقی)

سندھی اسلامی لٹریچر

ہم نے سندھی زبان میں اسلامی لٹریچر کی طباعت کا کام شروع کر دیا ہے

درج ذیل کتب طبع ہو چکی ہیں

رسالہ دینیات	۷/۵۰ روپے	ایمان مفصل	۲/۵۰ روپے
حقیقت صوم و صلوٰۃ	۳/۰۰ "	عبادت	۱/۵۰ "
حقیقت جہاد	۲/۷۵ "	دین اور شریعت	۲/۰۰ "
جہاد فی سبیل اللہ	۱/۵۰ "	جماعتِ اسلامی تعارف اور خدمات	زیر طبع
دینِ فطرت	۱/۵۰ "		
حقیقتِ نبوت	۲/۰۰ "		

یہ کتب دعوتی و تبلیغی کام کے لیے بُنیادی حیثیت رکھتی ہیں

محمد شوکت۔ برائے فرقان پبلیکیشنز۔ ۲۶۶ c/۷ لطیف آباد حیدرآباد سندھ

© rasailojaraid.com